جلد ۱۸ صلح ۱۳۵۶ ہش شمارہ ۱

جنوری ۱۹۷۷ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

60

سالانہ اشتراک

پاکستان — دس روپے

بیرونی ممالک ہوائی ڈاک — اسی روپے

بیرونی ممالک بحری ڈاک — چالیس روپے

قیمت پرچہ ھذا — ایک روپیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

مُحَرَّمُ الْحَرَام ۱۳۹۷ھ • جنوری ۱۹۷۷ء

صلح ۱۳۵۶ہش

ایڈیٹر

غلام باری سیف

قیمت سالانہ
دس روپے

فی پرچہ
ایک روپیہ

فہرست مضامین

پبلشر ——— چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر ——— سید عبدالحی

مطبع ——— ضیاءالاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت ——— دفتر ماہنامہ "انصاراللہ" دارالصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۸ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ شمارہ (۱)

صلح ۱۳۵۶ ہش

(۱)

مبارک ایام۔ مبارک لمحات

جلسہ سالانہ کے ایام بہت ہی بابرکت ایام ہوتے ہیں۔ کتنے ایمان پرور لمحات اور نظارے ان دنوں میں میسر آتے ہیں۔ کن صعوبتوں کو برداشت کر کے، کن روکوں کو پھلانگتے ہوئے عشاق آتے ہیں۔ سینوں میں کن ارمانوں کو دبائے مخلصین مرکزِ سلسلہ میں آتے ہیں۔ سال بھر وہ ان لمحات کی انتظار میں رہتے ہیں ــــــ گھڑیاں گن گن کر، جب یہ دن آتے ہیں تو ایسا ہی طیور مائل بہ پرواز ہو جاتے ہیں۔ موسم کی شدت، وسائل کی کمی، رہائش کی تکلیف، کوئی امر بھی ان کی راہ میں سنگِ گراں نہیں بنتا۔ یہ سب کچھ وہ اس دید کی لذت پر قربان کر دیتے ہیں۔ مسجد مبارک کی تہجد، امام جماعت کی ایک جھلک، جلسہ سالانہ کا روح پرور منظر وہ سب کچھ بھلا دیتا ہے۔ افتتاحی تقریر کے وقت نعرہ ہائے تکبیر کے شور میں جب وہ اپنے پیارے امام کی زیارت کرتے ہیں اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کی صدا۔ اُن پیارے ہونٹوں سے سنتے ہیں تو ان کے دل بلیوں اچھلنے لگتے ہیں۔ ان کی عقیدت اور ایمان بڑھتا ہے۔ یہاں تین روز جس مقدس فضا میں وہ سانس لیتے ہیں۔ جس نظم و ضبط کو وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ جن ایمان پرور کلمات کو وہ سنتے ہیں۔ وہ ان کا سرمایہ حیات ہوتا ہے۔ وہ متاعِ ایمان سے جھولیاں بھرتے ہیں۔ وہ دعاؤں اور ذکر الٰہی سے معمور دن گزارتے ہیں۔ یہ اجتماع کوئی دنیوی میلہ ٹھیلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہاں نعروں پر چڑھاوے چڑھتے ہیں نہ یہاں راگ رنگ کی محفلیں جمتی ہیں۔ یہاں تو اخوت کے نظارے ہوتے ہیں، پلکیں رقت سے نم ہوتی ہیں۔ خدا کے انعامات اور افضال کی بارشوں سے

دیدہ و دل بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اہل ربوہ سال بھر ان ایام کے لئے چشم براہ رہتے ہیں۔ مسیح پاکؑ کے مہمانوں کی خدمت سے وہ اپنے خدا کی رضا طلب کرتے ہیں۔ ان کے گھر خدا کی نعمتوں سے بھر جاتے ہیں۔ کیا ہوا جو ان دنوں میں رات دن وہ مصروف رہتے ہیں۔ یہ دن، ایام اللہ ہوتے ہیں۔ خدا کی رحمت جوش پر ہوتی ہے۔ یہ آتے ہیں تو دل کی کلی چٹک جاتی ہے۔ نمناک آنکھوں سے اپنے پیاروں کا استقبال کرتے ہیں۔ اور جب مسیح پاکؑ کے یہ مہمان رخصت ہوتے ہیں تو دل، اداس ہو جاتے ہیں لیکن اس دنیا کی یہی ریت ہے، ہر وصل کے بعد فصل ہے۔ ہر ملاپ کے بعد جدائی ہے۔ جانے والو! تم خدا کی حفاظت میں آئے اور اس کی پناہ میں رخصت ہوئے۔ خدا کرے۔ یہ دن آپ کو اور ہم کو پھر دیکھنے نصیب ہوں۔

ان ایام میں مہمانوں کو مل کر پوچھا۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔ تو مسجد مبارک میں لنگر دوازدہ کے جو سوئے انہوں نے بھی اور نو تعمیر گیلی بیرکس میں فرش مہمانوں نے یہی کہا " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! " کسی کی زبان پر کوئی شکوہ نہ تھا۔ کوئی گلہ نہ تھا۔ یہی اسلامی معاشرہ ہے۔ یہی مثالِ جنّت ہے۔ جنتوں کی یہی تعریف میں قرآن کہتا ہے:-

" وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ "

کہ جنتیوں کے سینوں سے کینہ نکال دیا جائے گا۔ وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

خدا کرے جو اسباق ہم نے ان دنوں میں پڑھے ہیں انھیں سال بھر دہراتے رہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کی زبان میں خدا سے دعا ہے:-

بڑھتی رہے خدا کی محبت خدا کرے ۔۔۔ حاصل ہو تم کو دید کی لذت خدا کرے
توحید کی ہو سب پہ سیادت خدا کرے ۔۔۔ ایمان کی ہو دل میں حلاوت خدا کرے
پڑ جائے ایسی نیکی کی عادت خدا کرے ۔۔۔ سرزد نہ ہو کوئی بھی شرارت خدا کرے
حاکم رہے دلوں پہ شریعت خدا کرے ۔۔۔ حاصل ہو مصطفیٰؐ کی رفاقت خدا کرے

(۲)

ایک نو مبائع کے جذبات

اس رسالہ میں " میری بیعت " کے عنوان کے تحت خواجہ وجاہت احمد لکھتے ہیں:-

" ہر ایسے احمدی کے لئے جو پیدائشی احمدی نہیں ہے بیعت کا واقعہ اس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہوتا ہے [illegible] بیعت [illegible] اپنی زندگی میں ایک تغیر پیدا کر لیتا ہے [illegible] اور دوسری طرف

اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ دعائیں قبول ہونے لگتی ہیں۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ آسمان سے فرشتے اُتر رہے ہیں اور کہتے ہیں نحن اولیاء کم فی الحیٰوۃ الدّنیا والاٰخرۃ "

الٰہی سلسلوں کی مثال تازہ پانی سے دی جاتی ہے۔ قرآن نے کلمہ طیبہ کی مثال شجرۂ طیبہ سے دی ہے اور اس کا وصف یہ بیان کیا ہے کہ تؤتی اکلھا کلّ حین ۔ وہ ہر وقت تازہ پھل دیتا ہے۔ یہ مضمون ہر احمدی کے لئے بھی ایک چیلنج ہے۔ اسے موازنہ کرنا چاہیئے کہ احمدیت کے نور سے اس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ احمدیت نام ہے عمل کا۔ یہ کوئی لیبل نہیں کہ لگا یا اور نجات ہو گئی۔ احمدی کی زندگی دنیا کے لئے ایک چیلنج ہونی چاہیئے۔ اگر اس کی زبان بند ہو تو اس کے اعمال احمدیت کی طرف بلا رہے ہوں۔ اس کا نیک نمونہ اس کا علمی شغف۔ اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق۔ اس کی احمدیت کے غماز ہوں۔"

———(۳)———

امیر حمزہ رضی

امیر حمزہ" ایک مضمون پیش خدمت ہے۔ امیر حمزہ حضرت عمر سے پہلے اسلام لائے تھے۔ وہ اسلام کے جری پہلوان تھے۔ جب تک زندہ رہے وہ تلوار کی طرح بے نیام رہے۔ وہ حق کا علی الاعلان اظہار کرنے والے فرزندانِ اسلام میں سے تھے۔ احد میں شہید ہوئے تو ہندہ نے ان کا مثلہ کیا۔ ان کا پیٹ چاک کیا۔ کلیجہ چبانے کی کوشش کی۔ ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنایا۔ ہادئ برحق صلی اللہ علیہ وسلم لاش پر تشریف لائے تو دیر تک متفکر کھڑے رہے۔ پھر خدا کو مخاطب کر کے عرض کی :-

"اگر میری پھپھی یعنی حمزہ کی بہن صفیہ کے غم کا خیال نہ ہوتا تو یہ لاش میدان میں پڑی رہنے دیتا۔ جنگل کے درندے اور فضا کے پرندے اس کا گوشت کھاتے اور قیامت کے دن ان کے پیٹوں سے حمزہ رضی کا حشر ہوتا۔

اس عمّ رسول پر ایک مضمون ادبی رنگ میں اس شمارہ کی زینت ہے۔ حضرت حمزہ رضی کے مسلمان ہونے پر قریش نے کہا تھا کہ :-

"اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم گزند نہیں پہنچا سکتے۔ حمزہ رضی اب ان کا دفاع کریں گے۔ چنانچہ قریش آپ کو اذیت پہنچانے سے رک گئے۔"

(۴)

گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

ماہ وسال کی گاڑی پوری تیز رفتاری سے رواں دواں ہے۔ صبح وشام عمر کے قیمتی لمحات کو کاٹ کاٹ کر لیے جا رہے ہیں۔ کبھی حسرت سے شاعر یہ کہتا سنائی دیتا ہے :- ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

اور کبھی غافل دل کو سنا کر شاعر کہتا ہے :- ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

محاسبۂ نفس بُرا امر نہیں۔ وقتِ عزیز کی قیمت کو محسوس کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے تو بُرا نہیں۔ ایک عرب شاعر نے کیا اچھا کہا اور کتنا عمدہ محاسبہ کیا اس نے :- ؎

"یبشرنی الھلال بنقص عمری وافرح کلما حلّ الھلال"

کہ نیا چاند جب چڑھتا ہے تو مجھے یہ بتلاتا ہے کہ میری عمر عزیز کا ایک ماہ اور کم ہو گیا اور میں کتنا ستم ظریف ہوں کہ چاند چڑھنے پر خوش ہوتا ہوں۔

بہرحال عمرِ عزیز کا ایک سال اور کم ہو گیا اور نیا سال طلوع ہوا۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا الہام ہے :-

"انت الشیخ المسیح الّذی لایضاع وقتہ"

کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ ضرورت ہے کہ ہم زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جانیں۔ وقت کو ضائع نہ کریں کہ اس زندگی میں وہی فرد اور قوم عزت پاتی ہے، جو وقت سے فائدہ اٹھاتی ہے اور وقت ضائع نہیں کرتی۔ نئے سال میں نئے عزم سے کام شروع کیجئے، پچھلے گناہوں اور غلطیوں کی تلافی کیجئے۔ تلافی مافات بھی ہو اور نئے سال میں نئے عزم اور نئے جوش کا بھی اظہار ہو کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ وقت تیز رفتار گاڑی کی طرح رواں دواں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا نکما پن ہے اور اس کا نتیجہ سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ نہیں۔

(۵)

قائدِ اعظم کے کردار کی ایک جھلک

"قائداعظم کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس سیاست پر قطعاً یقین نہیں کرتے تھے جس کی بنیاد دھوکے پر ہو یا جس سے عوام کو دھوکا دیا جائے۔ اس کے ثبوت میں اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جب وہ پشاور تشریف لائے تو ۲۳؍ نومبر کو ان کے پروگرام میں لنڈی کوتل اور تورخم کا دورہ تھا۔ پشاور کے چند علماء ان کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ آج جمعہ کی نماز مسجد مہابت خان میں ہمارے ساتھ ادا کریں تو اس کا بہت اچھا اثر پڑے گا۔" قائداعظم نے پوچھا۔ "کیسا اثر پڑے گا؟" مولانا صاحب نے جواب دیا۔ "عوام آپ کی تعریف کریں گے کہ آپ نمازی ہیں۔ اس کا اثر آنے والے الیکشن میں مسلم لیگ کے لئے بہت اچھا ہوگا۔ اور لوگ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دے کر بھاری تعداد میں کامیاب کرائیں گے۔" قائداعظم نے اپنی انگلی کو متحرک کرتے ہوئے تیز لہجہ میں کہا۔ "یہ تو اسلام کے ساتھ اور خدا کے ساتھ دھوکا ہے کہ میں ووٹ کی خاطر ریاکاری کروں۔ میں نماز پڑھتا ہوں، خدا کو ایک مانتا ہوں، مسلمانوں کے مفاد کے لئے لڑ رہا ہوں، مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، کلچر اور ثقافت کے لئے پاکستان کا مطالبہ کر رہا ہوں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ریاکار بنوں۔ میں ووٹ کی خاطر ریاکاری نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر لنڈی کوتل کا دورہ پہلے سے میرے پروگرام میں نہ ہوتا تو میں جمعہ کی نماز آپ کے ساتھ پڑھتا۔ مگر وہ اس لئے نہیں کہ لوگ میرے اس فعل کی خاطر مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ نماز انسان کا ذاتی فعل ہے جس کا تعلق براہ راست ذاتِ باری سے ہے اور میں انتہائی افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ لوگ اسلام کے مبلغ بن کر اس قسم کے نظریات پر کیوں عمل پیرا ہیں۔ خدا تو ریاکار پر لعنت بھیجتا ہے ———" اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ قائداعظم کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان میں تصنع اور ریاکاری قطعاً نہ تھی۔ وہ دھوکے کی سیاست کے قائل نہ تھے اور صاف ستھری اور کھری سیاست پر یقین رکھتے تھے۔ اس لئے ہندوستان کے بڑے بڑے سیاسی لیڈر اور بڑے بڑے عالم ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اور سیاسی میدان میں انہیں ایک عظیم شہسوار مانتے تھے۔" (نوائے وقت۔ ۲۵؍ دسمبر ۱۹۷۶ء صفحہ ۴)

———— (۶) ————

سانحہ کربلا

آج یکم محرم الحرام ہے۔ اس مہینہ میں کربلا کی تپتی ریت پر نواسۂ رسول کو ذبح کیا گیا۔ دریائے فرات کے کنارے اقتدار میں مست ٹولہ نے علی اصغر کی رگِ حیات کو تیر سے چھیدا۔ تو علی اکبر کا خون بھی کربلا کی پیاس کو نہ بجھا سکا۔ ایک کے خون سے اوک بھر کر امام حسینؓ نے آسمان کی طرف پھینکا تو دوسرے کے خون سے چلو بھر کر کربلا کی ریت پر چھڑکا۔ وہ نواسۂ رسول جو

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سواری کیا کرتا تھا۔ جس کا منہ کھول کر رسولِ خدا اس کے چمکتے دانتوں پر بوسہ دیتے۔ فاطمہؓ کا لال ——— ہاں وہ فاطمہؓ جس کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا" ——— ہاں ہاں وہی فاطمہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر پہ روانہ ہوتے تو سب سے آخر اس نورِ نظر کے گھر سے رخصت ہوتے اور جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہوتے۔ ہاں تو اس فاطمہؓ کے نورِ نظر کو اسلام کے نام لیواؤں نے شہید کیا۔ اور ظالموں نے اپنے گھوڑوں کے سموں تلے آپ کی لاش مبارک کو روندا۔ اہل بیت کے خیموں کو آگ لگا دی۔ اہل بیت کے مردوں میں سے صرف زین العابدین بیمار ہونے کی وجہ سے بچ سکے اور جب دمشق کے بازاروں میں سے یہ لُٹا پِٹا قافلہ گزرا۔ حسینؓ کا سر نیزہ پر تھا اور زین العابدین بیمار کی مشکیں کسی ہوئی تھیں تو کسی نے اس موقعہ پر رسولِ خدا کو مخاطب ہو کر یہ دردناک شعر کہا تھا:— ؎

انا دیک یا جداہ یا خیر رسل — حسینک مقتول ونسلک ضائع

اے نانا! اے افضل الرسل میں آپ کو پکارتا ہوں۔ دیکھیئے آپ کا حسینؓ شہید ہو چکا ہے اور ظالم آپ کی نسل کو معدوم کرنے کی فکر میں ہے۔

کربلا کا واقعہ ایسا دلفگار ہے کہ اس کے مطالعہ سے انسانیت کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔ یہ ظلم کرنے والے کون تھے؟ اور ظلم کس پر توڑا گیا؟ کس درد سے مصری مصنف عباس محمود عقاد لکھتا ہے ——— "کیا اس وقت عالم اسلام میں کوئی ایسا صاحب دل درد مند نہ تھا جو ظالم کا ہاتھ پکڑتا۔ کیا ایسا نہ ہو سکتا تھا کہ سورج کی آنکھ یہ سانحہ نہ دیکھتی" اسلامی تاریخ کے صفحات خونِ حسینؓ سے داغدار نہ ہوتے۔ یہ خدا کی تقدیر تھی جو پوری ہوئی۔ حسینؓ قربانی دے کر ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے اور ظلم کرنے والے ہمیشہ کی موت مر گئے ——— حسینیت آج بھی زندہ ہے اور یزید فرمانروائے دمشق کربلا کی مٹی میں ہی ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا تھا۔ کیا خوب کہا کسی نے ؎

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کہاں گئے وہ جنہوں نے فرات کا پانی اہل بیت پر بند کیا تھا۔ کدھر گئے اور کہاں پہنچے وہ جنہوں نے حلقِ حسینؓ پر چھری چلائی تھی۔ واقعہ کربلا ہمیں سبق دیتا ہے کہ قربانی ہی افراد زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ اور سانحہ کربلا ہمیں سبق دیتا ہے کہ ظلم مٹ کر رہا کرتا ہے۔ اور مظلومیت ایک دن رنگ لاتی ہے۔ آج کی کربلا میں پھر اسلام مظلوم ہے۔ اس نقشہ کو مسیح پاکؑ یوں کھینچتے ہیں:— ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید — دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین

کہ ہر طرف کفر یوں موجزن ہے جیسے یزید کی فوج اور خدا کا دین یوں بیمار و بیکس ہے جیسے زین العابدین ——— اسلام کو زندہ کرنے کے لئے پھر قربانی کی ضرورت ہے۔ دیکھئے مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں ——— "اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔ وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر اسلام کی زندگی، مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے"

پس سانحہ کربلا میں مسلمانوں کیلئے کئی سبق ہیں۔ اے کاش ہم چشمِ بینا سے یہ سب کچھ دیکھیں اور سبق حاصل کریں۔ ••

هَلْ اَشْكُرُ الرَّسُوْلَ فَخُذُوْهُ

قبر پرستی

"عَنْ عُروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم قَالَ فی مرضہ الّذی مات فیہ لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتّخذوا قبور انبیائھم مسجداً قالت ولولا ذٰلک لابرزوا قبرہ غیر انّی اخشٰی اَن یتّخذ مسجداً۔"

(بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور)

عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصارٰی پر لعنت کرے۔ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اگر قبر پرستی کا اندیشہ نہ ہوتا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو کھلا رکھتے۔ ایسا نہیں ہوا مبادا اُسے بھی سجدہ گاہ بنایا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مرض الموت میں حضرت حفصہ نے ذکر کیا کہ حبشہ میں انھوں نے یہود و نصارٰی کے انبیاء کی قبروں کو دیکھا۔ ان کو عبادت گاہوں کی صورت دی ہوئی تھی۔ اس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یہود و نصارٰی پر لعنت کرے۔ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا دیا۔

قرآن کریم میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اسے ظلم عظیم قرار دیا۔ اس جرم کی قباحت کے بارہ میں فرمایا کہ قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ مسلمان توحید کا علمبردار ہے۔ وہ خدا کو ہر بات پر قادر یقین رکھتا ہے۔ اس کی محبت کا مرکز خدا ہی کی ذات ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور در پر جھکنا شرک ہے۔ جو سر خدا کے سامنے جھکتا ہے وہ غیر کے سامنے جھکتا ہے تو توحید میں خیانت کرتا ہے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سر جھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے"

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

"جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد"

"اور یہ عاجز بطفیل متابعت حضرت رسول کریمؐ مخاطبات حضرت احدیت میں اس قدر عنایات پاتا ہے کہ جس کا تھوڑا سا نمونہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱۱ کے عربی الہامات وغیرہ میں لکھا گیا ہے۔ خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے اور بہت سے حقائق اور معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے اور بار بار بتلا دیا ہے کہ یہ سب عطیات اور عنایات اور یہ سب تفضلات اور احسانات اور یہ سب تلطفات اور توجہات اور یہ سب انعامات اور تائیدات اور یہ سب مکالمات اور مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد　　　　دگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اب وہ واعظانِ انجیل اور پادریانِ گم کردہ سبیل کہاں اور کدھر ہیں کہ جو میرے درجہ کی ہٹ دھرمی کو اختیار کر کے محض کینہ اور عناد اور شیطانی سیرت کی راہ سے عوام کالانعام کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی پیشگوئی ظہور میں نہیں آئی۔ سو اب منصفانِ حق پسند خود سوچ سکتے ہیں کہ جس حالت میں حضرت خاتم الانبیاء کے ادنیٰ خادموں اور کمترین چاکروں سے ہزارہا پیشگوئیاں ظہور میں آئی ہیں اور خوارق عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں تو پھر کس قدر بے حیائی اور بے شرمی ہے کہ کوئی کور باطن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں سے انکار کرے۔"

("براہینِ احمدیہ" حصہ چہارم۔ صفحہ ۶۲۳ تا ۶۲۵۔ روحانی خزائن۔)

فَاللّٰهُ اَرْسَلَنِیْ لِاُحْیِیْ دِیْنَهٗ

سو خدا نے مجھے بھیجا تا کہ میں اس کے دین کو زندہ کروں۔

فَاللّٰهُ اَرْسَلَنِیْ لِاُحْیِیْ دِیْنَهٗ
سو خدا نے مجھے بھیجا تا کہ میں اس کے دین کو زندہ کروں

جُهْدُ الْمُخَالِفِ بَاطِلٌ فِیْ اَمْرِنَا
مخالف کی کوشش ہمارے امر میں باطل ہے

فِیْ وَجْهِنَا نُوْرُ الْمُهَیْمِنِ لَائِحٌ
ہمارے منہ میں خدا تعالیٰ کا نور واضح ہے

اَلْیَوْمَ یُنْقَضُ كُلُّ خَیْطِ مَكَائِدٍ
آج ہر ایک مکر کا تاگا توڑ دیا جائے گا

مَنْ كَانَ صَوَّالًا فَیُقْطَعُ عِرْقُهٗ
جو شخص حملہ آور ہو پس اس کی رگ کاٹ دی جائیگی

اَللّٰهُ اٰثَرَنَا وَ كَفَّلَ اَمْرَنَا
خدا نے ہمیں چن لیا اور ہمارے کام کا متکفل ہو گیا

مَلِكٌ فَلَا یُخْزٰی عَزِیْزُ جَنَابِهٖ
وہ بادشاہ ہے اس کی جناب کا عزیز کبھی رسوا نہیں ہوتا

كَفِّرْ وَمَا التَّكْفِیْرُ مِنْكَ بِبِدْعَةٍ
تو مجھے کافر کہتا رہ اور کافر کہنا کوئی نئی بات نہیں

قَدْ كُفِّرَتْ مِنْ قَبْلُ صَحْبُ نَبِیِّنَا
اس سے پہلے ہمارے نبی کے اصحاب کافر ٹھیرائے گئے

حَقٌّ فَهَلْ مِنْ رَاشِدٍ یَسْتَسْلِمُ
یہ سچ ہے پس کیا کوئی ہے جو اطاعت کرے

سَیْفٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ لَا یَتَثَلَّمُ
یہ خدا کی تلوار ہے جس میں دندانہ نہیں پڑتا

اِنْ كَانَ فِیْكُمْ نَاظِرٌ مُتَوَسِّمُ
اگر تم میں سے کوئی دیکھنے والا ہو

لَیِّنٌ سَهْلٌ اَوْ شَدِیْدٌ مُبْرَمُ
نرم ایک تارہ ہو یا سخت دو تارہ ہو

یُرْدِیْهِ عَالِیَةُ الْقَنَا اَوْ لَهْذَمُ
اور نیزہ کا اوپر کا سرا یا نیچے کا سر اس کو ہلاک کر دیگا

فَالْقَلْبُ عِنْدَ الْفِتَنِ لَا یَتَجَمْجَمُ
پس دل فتنوں کے وقت متردد نہیں ہوتا

اِنَّ الْمُقَرَّبَ لَا اَبَا لَكَ یُكْرَمُ
اور مقرب ضرور عزت پا لیتا ہے

رَسْمٌ تَقَادَمَ عَهْدُهُ الْمُتَقَدِّمُ
یہ تو ایک پرانی رسم چلی آتی ہے

قَالُوْا لَئِیْمٌ كَفَرَةٌ وَّ هُمْ هُمُ
اور کہا یہ لئیم کافر ہیں اور ان کی شان وہی ہے جو ہے،

[illegible]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم فارسی کلام

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر

وہ اُمّی ہے مگر حکمت و علم میں بے نظیر ہے

اُمّی و در علم و حکمت بے نظیر
وہ اُمّی ہے مگر حکمت و علم میں بے نظیر ہے

زیں چہ باشد حجّتے روشن ترے
اس سے زیادہ اس کی صداقت پر اور کیا دلیل ہوگی

آں شراب معرفت دادش خدا
خدا نے اسے وہ شراب معرفت عطا فرمائی

کز شعاعش خیرہ شد ہر اخترے
کہ اس کی شعاعوں سے ہر ستارہ ماند پڑ گیا

شد عیاں از وے علیٰ وجہ الاتم
اس کے باعث پورے طور پر عیاں ہو گیا

جوہر انساں کہ بود آں مضمرے
انسان کا وہ جوہر جو مخفی تھا

ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال
اس کی پاک نفس پر ہر کمال ختم ہو گیا

لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے
اس لئے اس پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا

آفتاب ہر زمین و ہر زماں
وہ ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے آفتاب ہے

رہبر ہر اسود و ہر احمرے
اور وہ ہر اسود و احمر کا رہبر ہے

مجمع البحرین علم و معرفت
وہ علم و معرفت کا مجمع البحرین ہے

جامع الاسمین ابر و خاورے
بادل اور آفتاب دونوں ناموں کا جامع ہے

چشم من بسیار گردید و ندید
میں نے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہیں دیکھا

چشمۂ چوں دین او صافی ترے
اس کے دین کی مانند مصفّا چشمہ

سالکاں را نیست غیر از وے امام
سالکوں کے لئے اس کے سوا کوئی امام نہیں

رہرواں را نیست جز وے رہبرے
راہِ حق کے متلاشیوں کے لئے اس کے سوا کوئی رہبر نہیں

جائے او جائیکہ طیرِ قدس را
اس کا مقام وہ ہے جہاں جبرائیل کے

سوزد از انوار آں بال و پرے
اس مقام کے انوار کے باعث پر و بال جلتے ہیں

(براہین احمدیہ حصہ دوم۔ ٹائیٹل پیج مطبوعہ ۱۸۸۰ء)

عَلَمِ انعامی انصار اللہ برائے ۱۳۵۵ھش / ۱۹۷۶ء

مجلس انصار اللہ کی کارکردگی ۱۳۵۵ھش / ۱۹۷۶ء کے لحاظ سے مرکز کے فیصلہ کے مطابق پہلی دس نمایاں مجالس کی فہرست حسب ذیل ہے۔

مجلس انصار اللہ اسلامیہ پارک لاہور علَمِ انعامی کی مستحق قرار پائی۔ جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء کے موقع پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے دست مبارک سے مجلس انصار اللہ اسلامیہ پارک لاہور کے زعیم اعلیٰ مکرم چوہدری نصیر احمد صاحب کو ایک سال کے لئے علَمِ انعامی مرحمت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز مبارک کرے۔ آمین۔

نمبر شمار	نام مجلس	زعیم / زعیم اعلیٰ
(۲)	مجلس انصار اللہ - لائلپور شہر	مکرم چوہدری عبد الغنی صاحب
(۳)	" " مارٹن روڈ کراچی	" مولوی عبد المجید صاحب
(۴)	" " ربوہ	" چوہدری محمد شریف صاحب
(۵)	" " سکھر شہر	" قریشی عبد الرحمٰن صاحب
(۶)	" " پشاور شہر	" میاں عبد الرشید خان صاحب
(۷)	" " دار الذکر لاہور	" میجر عبد اللطیف صاحب
(۸)	" " بہاول پور شہر	" مرزا ارشد بیگ صاحب
(۹)	" " راولپنڈی شہر	" مرزا مبارک بیگ صاحب
(۱۰)	" " ناظم آباد کراچی	" چوہدری شریف احمد صاحب وڑائچ

دوست دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان مجالس کے عہدیداران و اراکین انصار اللہ کو احسن جزاء دے اور بیش از پیش خدمت دین کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے دو ساتھی

- چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی
- مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی

مسیح وقت اب دنیا میں آیا   خدا نے عید کا دن ہے دکھایا ،
مبارک وہ جواب ایمان لایا   صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا ،
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی   فسبحان الذی اخزی الاعادی

حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی مرحوم

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں میں سے چوہدری نصر اللہ خاں صاحب رضی ایڈووکیٹ بھی تھے۔ غالباً ۱۹۰۴ء میں انھوں نے بیعت کی۔ آپ اپنے پیشہ وکالت میں بہت نیک اور کامیاب تھے۔

۱۹۰۵ء میں ستمبر کی تعطیلات میں قادیان حاضر ہوئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں گزارش کی کہ اگر حضور اجازت دیں تو میں یہ کام چھوڑ کر زندگی کے بقیہ ایام خدمتِ دین میں گزار دوں۔ حضور نے فرمایا:-

"اپنے پیشے میں دیانت کی مثال قائم کرنا یہ بھی دین کی خدمت ہے۔ آپ پوری دیانت اور احتیاط سے کام کرتے رہیں۔ استغفار بہت کیا کریں اور اپنی آمد میں سے صدقہ و خیرات اور خدمتِ دین کے لئے صرف کرتے رہیں۔"

چنانچہ تکمیل ارشاد میں آپ نے وکالت کا کام جاری رکھا۔ حضورؑ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں پھر اپنی خواہش پیش کی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے فرمایا:۔

"جس بات کی حضرت صاحبؑ نے اجازت نہیں دی۔ نورالدین اجازت کیسے دے سکتا ہے؟"

آخر خلافت ثانیہ کے ابتدائی سالوں میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پہ وکالت کا کام ترک کر کے قادیان آگئے۔ آپ کو ناظر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ آپ یہ خدمت آنریری بجالاتے رہے۔ کھانا لنگر خانے سے قیمتاً کھاتے تھے لیکن وقت کی پابندی کا یہ حال تھا کہ سب سے پہلے دفتر جاتے اور وقت ختم ہونے پر دفتر سے واپس آتے تھے۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ لکھتے ہیں:۔

"وہ اپنے فرائض منصبی کے لئے جہاں تک میرا تجربہ ہے ٹھیک وقت پر دفتر آنیوالے تھے اور خواہ کچھ بھی ہو اس طرح پر آیا کرتے تھے جیسے کوئی مزدور کام پر اس لئے جا رہا ہے کہ اگر دیر ہو جائے گی تو اس کا کچھ نقصان ہو جائے گا۔ اور وہ مادی مفاد سے محروم ہو جائے گا۔ میں نے کبھی کسی ناظر کو چوہدری صاحب سے پہلے دفتر کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا اور چوہدری صاحب ایسے وقت پر جایا کرتے تھے کہ وقت سے پہلے پہنچ جائیں۔ پھر جب تک وہ دفتر میں رہتے۔ ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتے اور اگر دفتری کام کسی دن ہلکا ہو تو وہ اس وقت کو فارغ سمجھ کر دفتر چھوڑ کر گھر کو نہیں چلے جاتے تھے۔ بلکہ دفتر کے پورے گھنٹوں میں دفتر میں موجود رہتے۔"

("الفضل" ۱۲ و ۱۶ رنومبر ۱۹۲۶ء۔ ماخوذ از "اصحاب احمد" جلد ۱۱ ص ۱۵۸)

یہی تاثر حضرت میر محمد اسحاق صاحب کا تھا۔ انہوں نے فرمایا:۔

"آپ باوجود اس کے کہ قادیان میں آنریری کام کرتے تھے اور کسی کام کا کوئی معاوضہ کبھی آپ نے نہیں لیا۔ مگر جس صیغہ میں آپ نے کام کیا۔ نہایت پابندیٔ وقت سے کیا۔ آپ وقت کے شروع میں آتے اور ختم ہونے کے بعد جاتے بلکہ موسم گرما میں صبح چھ بجے دفتر میں تشریف لاتے اور بارہ بجے تک جبکہ دفتر بند ہو جاتے آپ دفتر میں ہی رہتے اور عصر کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے۔"

("اصحاب احمد" جلد ۱۱ ص ۱۴۹)

آپ کے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ دفتر میں ذرا سی فرصت ہوتی تو جیب سے حمائل نکال کر تلاوت فرماتے۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:۔

"عشاء کے بعد سونے تک آپ قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نماز بہت پابندی کے ساتھ اور سنوار کر ادا کرتے۔ تہجد کا التزام کرتے۔ جب میں نے میٹرک کا امتحان دینا تھا ابھی چھ ماہ

امتحان میں باقی تھے پوچھا کتنا قرآن مجید ترجمہ سے پڑھ لیا؟ میں نے عرض کیا۔ ساڑھے سات سیپارے تو آپ نے فرمایا۔ جب تم کالج میں چلے جاؤ گے تو ان امور کی طرف توجہ کم ہو جائے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم امتحان سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ ختم کر لو۔ تم مجھ سے عشاء کے بعد دو تین رکوع پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ آپ نے انٹرنس کے امتحان سے قبل مجھے قرآن مجید کا ترجمہ سکھا دیا۔"

(اصحاب احمد جلد ۱ صـ۱۶۴)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"ایک بار ماسٹر صاحب نے مجھے فرمایا کہ مجھے کوئی قرآن پڑھا دے تو میں اس کے پاس رہ پڑنے کو تیار ہوں گھر بھی نہ جاؤں گا۔ آپ نے پیرانہ سالی میں قرآن مجید کو حفظ کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا تو کہا قانون کی اتنی بڑی کتابیں حفظ کر لیں اور اب تک بہت بڑا حصہ زبانی ان کا یاد ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب کو حفظ نہ کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔" (اصحاب احمد جلد ۱۱ صـ۱۶۱)

حضرت عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ نے محترم چوہدری صاحب رضی اللہ عنہ کی سیرت کے متعلق لکھا ہے:۔

"میں نے دیکھا کہ وہ اس کے خوگر نہ تھے کہ اپنا تفوق ظاہر کریں۔"

(اصحاب احمد جلد ۱۱ صـ۱۵۹)

واضح رہے کہ آپ صدر انجمن میں ناظر اعلیٰ تھے جو اس وقت صدر انجمن کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ میں نے جب یہ فقرہ پڑھا تو مجھے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ ارشاد یاد آ گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"عہدہ کا مستحق وہ شخص ہے کہ جب تک اسے کوئی عہدہ نہ دیا جائے وہ (ذمہ داری کے لحاظ سے) سمجھے کہ وہ عہدیدار ہے اور جب اس کے سپرد کوئی عہدہ کر دیا جائے وہ سمجھے میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔"

ایک بار محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے عرض کیا۔ آپ بوڑھے ہیں۔ لنگر خانہ میں کھانا ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور روٹی بھی خشک ہو جاتی ہے۔ مبادا آپ بیمار ہو جائیں۔ بہتر ہے آپ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں کھانا کھایا کریں۔ جواب میں فرمایا:۔

"خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ عمدہ کھانے کے عادی ایسے کھانے کھا کر سلسلہ سے دور ہو گئے میں لنگر خانہ کی خشک روٹیوں کو پسند کرتا ہوں۔ جو الہاماً تیرے لئے اور تیرے درویشوں کے لئے مقرر ہو چکی ہے۔" (اصحاب احمد جلد ۱۱ صـ۱۳۲)

یہ تھے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے زاہد اور فدائی صحابہ، قرآن سے محبت کرنے والے، وقت کے پابند،

نماز مسلمانوں کو پابندیٔ وقت سکھاتی ہے اور مسیح پاکؑ کا الہام ہے :-

"اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ"

یعنی تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

اگر ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنا ہے تو وقت کے ایک ایک لمحہ کو کام میں لانا ہوگا۔ وقت کی پابندی کر کے عمدہ مثال قائم کرنی ہوگی۔

آپ کی بے نفسی اور اکرامِ انسانیت کا یہ حال تھا کہ آپ نے لکھ کر تمام دفاتر میں سرکلر کیا کہ جب ناظر و ترزمین آیا کریں تو چپڑاسی کو بھی سلام کرنے میں پہل کیا کریں۔ آپ کے چاروں فرزندوں کو اللہ تعالیٰ نے سلسلہ احمدیہ کی نمایاں خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، مکرم چوہدری عبد اللہ خان صاحب، محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب امیر، محترم چوہدری شکر اللہ خان صاحب۔ ان میں سے ہر ایک کو معروف اور نمایاں جماعتوں کی امارت کی خدمت کی بھی توفیق ملی۔ خدا ان کی اولادوں کو بھی اپنے والدین کی طرح مقبول خدمتِ اسلام کی توفیق عطا فرمائے۔

عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ آپ کی سیرت پر لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"وہ دنیا کی مالوفات کو چھوڑ کر باوجود امیر ہونے کے فقیر ہو گیا اور وہ حبیب پر دھونی رما کر بیٹھ گیا۔" (اصحابِ احمد جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۷)

حضرت چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم رضی کی اہلیہ محترمہ حسین بی بی صاحبہ بہت دینی غیرت رکھنے والی دیندار خاتون تھیں۔ وقت مجھے اجازت نہیں دیتا۔ صرف ایک واقعہ ان کی زندگی کا بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح پاکؑ کے تربیت یافتہ مرد ہوں یا عورتیں ان کے خیالات کتنے پاکیزہ تھے۔ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب فرماتے ہیں :-

"والد صاحب کی وفات پر صندوق موٹر میں رکھنے سے پیشتر والدہ محترمہ میرے بازو کا سہارا لے کر صندوق کے پاس آئیں اور کہا۔ اللہ کے سپرد۔ آپ نے مجھے ہر طرح سے خوش رکھا اور میری چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو پورا کیا۔ میرا دل ہمیشہ آپ پر راضی رہا۔ مجھے تو یاد نہیں کہ آپ کی طرف سے مجھے کوئی تکلیف یا رنج پہنچا ہو۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہوا ہو تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ کو معاف کرتی ہوں۔ مجھ سے کئی قصور اور کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ ان کی معافی میں اللہ تعالیٰ سے طلب کروں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے۔ اپنے والد صاحب کو میرا سلام پہنچا دینا۔ اور اگر ہو سکے تو اپنی حالت کی ہمیں اطلاع دینا۔"

(اصحابِ احمد جلد ۱۱ صفحہ ۹۸)

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضؓ

حضرت مسیح پاکؑ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والے خوش نصیبوں میں سے ایک حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بھی تھے۔ صاحب کشف و کرامات، مستجاب الدعوات، عالمِ باعمل، صوفی منش بزرگ سلسلہ احمدیہ کے مربیّ تھے آپ کی قبولیتِ دعا سے متاثر ہو کر ایک احمدی شاعر نے کہا تھا:- ؎

"ملتا تھا عرش سے اسے کچھ اس طرح جواب　　اس کی دعا کا جیسے وہاں انتظار تھا۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں اپنی سی حرفی انھوں نے پڑھی اور جب کبھی آپ سی حرفی سناتے اس کے ابتدائی اشعار میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر تھا۔ آپ یہ اشعار پڑھتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ؎

"بخت جاگے ولاں ستیاں دے مہدی پاک وچ جہان آئے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود کی شان میں سینتیس اشعار پر مشتمل بے نقط قصیدہ جس کا ہر لفظ بے نقط تھا آپ نے ۱۷ر نومبر ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سنایا۔ جس کو پڑھ کر یہی کہنا پڑتا ہے ؎

"ایں سعادت بزور بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ"

قرآن مجید ان کی روح کی غذا تھی۔ اس کے معارف کے بیان کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کے اندر ایک بحرِ بیکراں رواں ہے۔ شدید اعصابی دوروں میں بھی قرآن مجید کا درس دیتے اور فرماتے:-

"اگر میری موت کلامِ الٰہی سناتے وقت ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو گی؟"

(اصحابِ احمد: جلد ہشتم ص۳۸)

شیخ محمود احمد صاحب عرفانی بیان فرماتے ہیں:-

"سنہ ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے کانپور کی اہلِ حدیث کانفرنس میں مجھے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ شمولیت کا حکم ہوا۔ دہلی سے ہی حضرت مولوی صاحب کو اعصابی تشنج شروع ہو گیا اور اس قدر شدید دورے تھے کہ مجھ سے آپ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ دورے کے ساتھ آپ کے پٹھے کھنچ جاتے تھے۔ رات کے دس بجے کانپور پہنچے۔ ایک سرائے میں قیام کیا۔ رات کمرہ کے اندر ہی سوئے۔ مچھروں نے بری طرح کاٹا۔ حضرت مولوی صاحب کو تو شدید بخار تھا۔ اعصابی تکلیف کی وجہ سے کبھی پگڑی سے سر اور منہ کو باندھتے اور کبھی ٹانگوں پر پگڑی باندھتے اور کبھی بازوؤں پر۔ کانفرنس میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی

محمد ابراہیم صاحب موجود تھے۔ مولوی ثناء اللہ نے دورانِ تقریر ہمارے سلسلہ کو چیلنج دیا۔ میں نے کہا وقت دو میں مبلغ کو لاتا ہوں۔ اس نے آدھ گھنٹہ کا وقت دیا۔ میں تانگہ لے کر حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ اعصابی تکلیف میں مبتلا تھے۔ فرمایا چلو چلیں۔ گرم کوٹ کھونٹی سے اتار کر پہن لیا۔ پنڈال میں پہنچ گئے۔ مجمع کو چیرتے ہوئے سٹیج پر پہنچ گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مولوی صاحب کو کرسی پیش کی۔"

شیخ صاحب کہتے ہیں:۔

"میں بھی پاس ہی سٹیج پر بیٹھ گیا۔ غیرتِ ایمانی سے طبیعت میں ایسی حالت پیدا ہوئی کہ دورہ رک گیا۔ مباحثہ شروع ہوا۔ دو گھنٹہ تک وہ رنگ پیدا ہوا کہ غیر احمدیوں نے حضرت مولوی صاحب کے ہاتھ چومے اور دعا کے لئے درخواست کی۔"　　(اصحابِ احمد جلد ہشتم ص ۳۳، ۳۴)

ایک بار آپ تبلیغ کے لئے منگلور تشریف لے گئے۔ سمندری سفر کی وجہ سے حالت غیر ہو رہی تھی۔ نبض گر رہی تھی رنگ زرد، چہرہ پر پسینہ اور آنکھیں بند تھیں۔ سمندر میں مدّوجزر تھا جب جہاز سے اتر کر کشتی میں بیٹھے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کشتی اب ڈوبی اب ڈوبی۔ ایسی حالت میں کشتی والوں نے شور مچایا "یا مخادی شیئاً للہ"۔ حضرت مولوی صاحب نے آنکھیں کھولیں اور کڑک کر کہا یہ کیا بکتے ہو؟ تمہاری ہمارے جیسا ایک آدمی تھا۔" کشتی والے سہم گئے پھر آپ نے توحید، مقامِ رسالت اور احمدیت پر وعظ شروع کر دیا۔ وہاں جا کر مرطوب آب و ہوا، مچھلی اور بادی غذا، حضرت مولوی صاحب کو شدید بخار اور پھوڑے کی تکلیف، پھوڑے کا آپریشن ہوا۔ چھ ماہ تک علالت رہی۔ معالج ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ بچتے نظر نہیں آتے۔" اس پر حضرت مولوی صاحب نے وصیت کی کہ اگر میری وفات ہو جائے تو میرے لوحِ مزار پر صرف یہ شعر لکھ دیا جائے

؎ "گر نباشد دوست رہ بُردن　　شرطِ عشق است در طلب مُردن"

(اگر دوست تک راہ نہ ملے تو عشق کا تقاضا ہے کہ اس طلب میں جان دے دی جائے)

(اصحابِ احمد جلد ہشتم ص ۳۶)

جب ساٹھ سال کی عمر میں صدر انجمن نے آپ کو اطلاع دی کہ آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہو گئی ہے لہٰذا آپ کو ریٹائر کیا جاتا ہے تو آپ نے اس پر لکھا "جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی تو یہ عہد نہیں کیا تھا کہ ساٹھ سال کی عمر تک خدمت کروں گا۔ باقی آپ بے شک اپنے قواعد کے مطابق کارروائی کریں۔"

یہ وہ لوگ تھے جن کی زندگیاں اسلام کے لئے تھیں اور جنہیں موت بھی آئی تو اسی راہ میں۔ وہ چلتے پھرتے مسیح پاکؑ کی صداقت کا نشان تھے۔ مسیح کی مسیحائی کی جھلک ان میں نظر آتی تھی۔ وہ ہاتھ اٹھاتے تھے تو اجابت درِ حق سے استقبال کیلئے آتی تھی۔ وہ سجدہ میں گر گڑاتے تھے تو کائنات میں زیر و بم پیدا ہو جاتا تھا۔ مکرم و محترم مولوی برکات احمد صاحب جو تقسیم ملک کے وقت

[illegible]

مساجد

عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں

(ایڈیٹر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے وقت میں مساجد کی یہ تزئین نہ تھی۔ احادیث سے بہتر اور مستند کوئی دینی تاریخ نہیں اور احادیث میں سے اصح الکتب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب بنیان المسجد باندھا ہے۔ اس میں ابو سعید اور نافع کا بیان یوں ہے:-

"قال ابو سعید وکان سقف المسجد من جرید النخل وامر عمر ببناء المسجد وقال اکنّ الناس من المطر وایّاک ان تحمّر او تصفّر فتفتن الناس وقال یتباھون بھا ثمّ لا یعمرونھا الا قلیلا وقال ابن عباس لتزخرفنّھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد)

ابو سعید نے کہا۔ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا لوگوں کو بارش سے بچاؤ اور مسجد کو سرخ و زرد کرنے سے احتراز کرو۔ ورنہ لوگ فتنہ میں پڑیں گے۔ اور کہا۔ لوگ مسجد کی تعمیر پر باہم فخر کریں گے۔ پھر اسے آباد تھوڑا ہی کریں گے۔ اور ابن عباسؓ نے کہا۔ تم ضرور مسجد کو مزخرف کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے کیا۔

زخرفہ کے معنے سونے چاندی کا ملمع کرنے اور منقش کرنے کے ہیں ــــــ نافع کہتے ہیں۔ عبداللہ نے انھیں بتلایا:-

"ان المسجد کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبنیّاً باللبن وسقفہ الجرید وعمدہ خشب النخل فلم یزد فیہ ابوبکر شیئاً وزاد فیہ عمر وبناہ علی بنیانہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللبن والجرید واعاد عمدہ خشباً ثمّ غیّرہ عثمان فزاد فیہ زیادۃ کثیرۃ

وبنی جدارہ بالحجارۃ المنقوشۃ والقصّۃ وجعل عمدہ من حجارۃ منقوشۃ
وسقفہ بالساج" (بخاری باب بنیان المسجد)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کچی اینٹوں کی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہ کیا حضرت عمرؓ نے اس کی بنیادوں پر اس کی دوبارہ تعمیر کی۔ انہوں نے مسجد کے میٹریل میں کوئی تبدیلی نہ کی۔ حضرت عثمانؓ نے اس میں تبدیلی کی اس میں کئی اضافے کئے۔ دیواریں منقش پتھروں سے اور چونے سے تعمیر کیں اور ستون بھی منقش پتھروں کے اور چھت ساگوان کی بنائی۔

اس کی تشریح میں ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے۔ یہ واقعہ مسجد نبوی کی تجدید کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی تعمیر میں سنت اعتدال اور ترک غلو ہے اور حضرت عمرؓ نے باوجود فتوحات اور مالی فراخی کے اس میں کوئی تبدیلی نہ فرمائی۔

"انّ السنّۃ فی بنیان المسجد القصد وترک الغلوّ فی تحسینہ فقد کان عمر مع کثرۃ الفتوح فی ایامہ وسعۃ المال عندہ لم یغیر المسجد عمّا کان علیہ"
(فتح الباری جلد اول صفحہ ۳۶۲ باب بنیان المسجد)

اور نئی تعمیر اس لئے ضروری ہو گئی تھی کہ کھجور کی شاخیں بوسیدہ ہو گئی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے بغیر زخرفات اسے خوبصورت بنایا۔

حضرت عثمانؓ کی تجدید کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں کہ:۔

"وہ بھی اس لئے کہ لوگوں نے جب اپنے مکانوں کو چونے گچ کیا اور خوبصورت بنایا تو ضروری تھا کہ مساجد کو بھی معمولی نہ رہنے دیا جاتا۔" (فتح الباری جلد اول صفحہ ۳۶۳ باب بنیان المسجد)

"اسلام کا نظام مساجد" ندوۃ المصنفین دہلی کی شائع کردہ یہ کتاب محمد ظفر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ سانبھر کی ہے اس میں انہوں نے "مسجدوں کی تزئین" کے عنوان کے تحت بحث کی ہے کہ یہ اسلامی روح کے خلاف ہے اور استدلال احادیث سے کیا ہے۔ ان میں سے اکثر احادیث ابن ماجہ کی ہیں۔ باب تشیید المساجد کی یہ حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے:۔

"اراکم ستشرفون مساجدکم بعدکم کما شرفت الیہود کنائسھا وکما شرفت النصاری بیعھا۔" (ابن ماجہ باب تشیید المساجد)

میں دیکھتا ہوں کہ تم ان مساجد کو اس طرح مینارہ بالا بنانے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے

معابد بلند بنوائے ہیں۔

اور حضرت عمرؓ بن خطاب کی اس باب میں روایت یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر میں غلوّ اسلام کے تنزّل کی علامت ہے:۔

"عن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ما ساء عمل قوم قطّ الّا زخرفوا مساجدھم۔" (ابن ماجہ باب تشیید المساجد)

کہ جب کسی قوم کے اعمال بگڑتے ہیں تو وہ اپنی مسجدوں کو مزیّن کرتے ہیں۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل چیز نماز کو خشوع و خضوع سے ادا کرنا ہے۔ ایسی نماز جس کے نتیجہ میں باطن کی میل دُھل جائے اور دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جائے لیکن یہ کیفیت اس وقت مفقود ہو جاتی ہے جب ہم ظاہر کو سنوارنے لگ جائیں اور اس کو ہی اصل سمجھیں اور بقول رسول خدا اسی پر فخر کرنے لگ جائیں۔

بخاری باب ہجرۃ النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم میں مسجد قباء کی تعمیر کا بھی ذکر ہے جو کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔

سنہ ۲۱ ہجری میں مصر میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے جو پہلی مسجد مصر کی تعمیر کی تھی وہ بھی کچی اور بغیر کافی صحن کے تھی۔ دکتور جمال الدین الرمادی اپنی کتاب الاسلام فی المشارق والمغارب میں لکھتے ہیں:۔

"وبنی عمرو بن العاص فی عام ۲۱ للھجرۃ اوّل مسجد فی مصر...... ......
وکان سقفہ المصنوع من الجرید منخفضا جداً، واتّخذت اعمدتہ من جذوع النخل ولم یکن لہ صحن یتسع لجلوس المسلمین۔"
("الاسلام فی المشارق والمغارب" ص۸۶)

مساجد کے زخرف کی ابتدا

علّامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

"اوّل من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک بن مروان"
(فتح الباری جلد اوّل ص۳۶۲ باب بنیان المساجد)

پہلا شخص جس نے مساجد کو مزخرف کیا وہ ولید بن عبد الملک بن مروان ہے۔

شاہ عبد الغنی صاحب انجاح الحاجۃ میں لکھتے ہیں:۔

"زخرف کے معنے مساجد کو منقش اور سونے چاندی سے ملمع کرنے کے ہیں اس سے ظاہر کی تو تعمیر ہوتی ہے لیکن باطن کی تخریب۔ اس کے علاوہ ریاء شہرت سے بچنے اور نماز میں توجہ کے لئے ان کا ترک ضروری ہے" (حاشیہ ابن ماجہ)

حضرت عثمانؓ کے صاحبزادہ کا خراجِ تحسین

مسجد نبوی کو مزخرف ولید بن عبد الملک نے کروایا اس پر تین سال صرف ہوئے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد ولید جب مسجد کو دیکھنے آیا تو اتفاق سے حضرت عثمانؓ کے بچوں میں سے ایک وہاں تھے۔ ولید نے کہا۔
"تمہارے باپ کی تعمیر کردہ مسجد اور میری مسجد میں کتنا فرق ہے؟" حضرت عثمانؓ کے صاحبزادہ نے کہا:۔
"میرے باپ کی تعمیر مسجد کی تعمیر تھی اور تمہاری تعمیر یہود و نصاریٰ کے گرجوں جیسی ہے۔"
("جذب القلوب" صفحہ ۱۰۸ از شاہ عبد الغنی صاحب)

محراب اور مینار کی ابتدا

محراب اور مینار کی ابتدا بھی ولید کے ہی زمانہ میں ہوئی۔ "الاسلام فی المشارق والمغارب" کے مصری مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"وبنى الوليد الى الجانب الشمالى من المسجد مئذنة .... وهذه المئذنة هى اقدم مئذنة ...... وربما كان جامع دمشق اول مسجد ظهر فيه المحراب"۔ (ص۱۶)

کہ جامع دمشق کی شمالی جانب ولید نے مینارہ بنوایا۔ یہ مینارہ سب سے پہلا مینارہ تھا۔ اور اس مسجد میں ہی سب سے پہلا محراب بنایا گیا۔
دائرۃ المعارف میں محمد فرید وجدی الحرم المدنی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔

"وفى سنة ثمان وثمانين ارسل الوليد بن عبد الملك لعامله على المدينة عمر بن عبد العزيز فزاد فى المسجد شرقاً وغرباً وجنوباً وادخل فيه حجرات ازواج النبى صلى الله عليه وسلم وبنى له اربع ماذن وفرش ارضه بالرخام" (دائرۃ المعارف۔ محمد فرید وجدی جلد ۳ ص۴۷۵)

کہ اٹھاسی ہجری میں ولید بن عبد الملک نے اپنے عامل عمر بن عبد العزیز کو مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے بھجوایا چنانچہ انہوں نے مسجد کو مشرق، مغرب اور جنوب کی طرف بڑھایا اور ازواج مطہرات کے کمرے بھی اس میں شامل کئے اور اس کے چار مینارے تعمیر کئے ۔۔۔۔۔۔ اور سنگِ مرمر کا فرش بنایا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں مینارہ نہ تھا

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں کسی مسجد کا مینارہ نہ تھا۔ مستند دینی تاریخ یعنی حدیث کا بیان یہ ہے:-

"عن امراۃ من النجار قالت کان بیتی من اطول بیت حول المسجد وکان بلالؓ یوذن علیہ الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ینظر الی الفجر"

(ابوداؤد باب الاذان فوق المنارۃ)

کہ بنو نجار کی ایک عورت نے بتلایا کہ مسجد کے ماحول میں سب سے اونچا میرا گھر تھا بلالؓ میرے گھر کی چھت پر چڑھ کر اذان دیتے تھے اس سے یہی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اونچی جگہ پر اذان مستحب ہے تا آواز دور تک جا سکے۔

ردّ المحتار کے مصنف لکھتے ہیں:-

"ولم تکن فی زمنہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مئذنۃ"

(ردّ المحتار علیٰ درّ المختار جز اول صفحہ ۲۸۵ موجود خلافت لائبریری)

"وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" کے مصنف سید شریف نور الدین لکھتے ہیں:-

"فیما اتخذہ عمر فی المسجد فی زیادۃ الولید من المحراب والشرفات والمنائر واتخاذ الحرس ومنعھم من الصلوٰۃ علی الجنائز فیہ ....
فاوّل من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزیز........"

(وفاء الوفا الفصل السابع عشر صفحہ ۳۷۶)

سب سے پہلے ولید نے مسجد نبوی میں محراب اور کنگرے اور منارے بنوائے اور چوکیدار مقرر کئے اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا۔ معاویہ کے حکم کے تحت سب سے پہلا منارہ بنایا گیا۔

ردّ المحتار نے یہ نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے منارہ پر اذان شرحبیل بن عامر مرادی نے دی۔ بنی مسلمہ نے معاویہ کے حکم سے اذان کے لئے منارے بنوائے۔ اصل عبارت ان کی یہ ہے:-

"قلت وفی شرح الشیخ اسماعیل عن الاوائل للسیوطی انّ اوّل من رقی منارۃ مصر للاذان شرحبیل بن عامر المرادی وبنی سلمۃ المنائر للاذان بامر معاویۃ ولم تکن قبل ذلک وقال ابن سعد بالسند الی امّ زید بن ثابت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقہ من اوّل ما اذن الی ان بنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدہ فکان یؤذن لہ علی ظہر المسجد وقد دفع بشیء فوق ظہرہ"

(ردّ المحتار علی در المختار جز اول ص۲۸۵ - خلافت لائبریری)

خلاصۂ کلام

ان حوالہ جات سے یہ ظاہر ہے کہ محراب اور مینار سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھے۔ نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں۔ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں محراب اور مینار کی ابتداء ہوئی اور ڈاکٹر جمال الدین الرمادی کی کتاب کی روشنی میں پھر شام اور افریقہ میں اس کا نمونہ بنایا گیا۔

مروّجہ محراب اور کتاب "اسلام کا نظام مساجد"

محمد ظفر الدین صاحب نے اردو میں اس بارے میں قابلِ قدر تصنیف فرمائی ہے۔ وفاء الوفاء کی یہ عبارت نقل کر کے "فاوّل من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبد العزیز" لکھتے ہیں:-

"اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محراب مروّجہ بعد کی ایجاد ہے۔ گو بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ عہدِ نبوی سے ہے جیسا کہ ابن الہمام کہتے ہیں۔ مگر حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ علماء کی ایک جماعت نے اس کو ناپسند کیا ہے اور انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کی دلیل میں حدیث پیش کی ہے۔" (اسلام کا نظام مساجد ص۱۷۱)

حاشیہ پر مصنّف لکھتا ہے:-

"میں نے اس پر تفصیلی بحث کی تھی مگر بعض علماء کے مشورہ سے حذف کر دی۔" (اسلام کا نظام مساجد حاشیہ ص۱۷۱)

ایک ایسا امر جو شریعت کے منشاء کے خلاف ہو لیکن رواج پا چکا ہو اس کے خلاف کہنے کے لئے دل گردہ کی ضرورت ہے۔

محراب کی کراہت کے قائلین

روح المعانی کے مصنّف علامہ آلوسی نے کراہت کے قائلین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ابراہیمؒ اور علامہ سیوطیؒ کا نام درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ وہ قرآن مجید کی آیت "وھو قائم یصلّی فی المحراب" کی تشریح میں زیر لفظ "محراب" لکھتے ہیں:-

"ثمّ اعلم انّ الصلوٰۃ فی المحاریب المشھورۃ الموجودۃ الآن فی مساجد المسلمین قد کرھھا جماعۃ من الائمۃ الی ذٰلک ذھب علی کرم اللہ وجہہ

وابراھیم رحمۃ اللہ فیما اخرجہ عنھما ابن ابی شیبۃ وھی من البدع التی لم تکن فی العصر الاوّل فعن ابی موسیٰ الجھنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا یزال امّتی بخیر ما لم یتخذوا فی مساجدھم مذابح النصاریٰ وعن عبد اللہ ابن ابی الجعد قال کان اصحاب محمّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یقولون انّ من اشراط الساعۃ ان تتخذ المذابح فی المساجد وعن ابن عمر رضی اللہ عنھما انّ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم قال اتقوا اللہ ھٰذہ المذابح یعنی المحاریب والروایات فی ذالک کثیرۃ وللامام السیوطی رسالۃ مستقلۃ۔"

(روح المعانی الجزالاول ص ۱۱۸)

ترجمہ: پھر جان لو کہ مشہور و موجود محرابیں جو مسلمانوں کی مساجد میں ہیں انہیں ائمہ کی ایک جماعت نے مکروہ کہا ہے۔ جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے ان سے تخریج کی ہے اور یہ ایک بدعت ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ اور ابو موسیٰ جہنی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت بھلائی میں رہے گی جب تک وہ اپنی مساجد میں عیسائیوں کی طرح قربان گاہیں نہ بنائے گی۔ اور عبد اللہ ابی جعد سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ مساجد میں قربان گاہیں بنائی جائیں گی۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان قربان گاہوں کی تعمیر میں خدا سے ڈرو اور قربان گاہوں سے مراد محرابیں ہیں اور اسی بارہ میں روایات بہت ہیں اور امام سیوطیؒ کا اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ ہے

پس محراب و منارے نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوائے نہ خلفائے راشدین نے۔ یہ بنو امیہ اور بنو عباس کی تخلیق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب!

O

مضمون نگار حضرات اپنے مضامین خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر لکھا کریں!

میری بیعت

مکرّم و محترم خواجہ وجاہت احمد صاحب کراچی

ہر ایسے احمدی کے لئے جو پیدائشی احمدی نہیں ہے بیعت کا واقعہ اس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بیعت کر کے وہ اپنی زندگی میں ایک تغیر پیدا کر لیتا ہے۔ ایک طرف تو بیعت کرتے ہی دنیا کی مشکلات کا پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ عزیز و اقارب مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ نوکری یا کاروبار میں رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور دنیا والوں کی بدسلوکیوں کا جواب بھی اس طرح سے دینے کی اجازت نہیں ہوتی جس طرح بیعت سے پہلے آزادی تھی۔ کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا کرتے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے کھلتے ہیں۔ دعائیں قبول ہونے لگتی ہیں نماز میں خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ آسمان سے فرشتے اتر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ نحن اولیاؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الآخرۃ۔ غرض بیعت انسان میں ایسی تبدیلی لاتی ہے کہ ہر لحاظ سے یہ زندگی کا اہم ترین واقعہ بن جاتی ہے۔

میری بیعت میں جن وجوہات کا دخل رہا ان کی کڑیاں ۱۹۴۵ء سے شروع ہوتی ہیں جبکہ میں غالباً تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ ہمارے ساتھ ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ اور جین مذہب کے ماننے والوں کے لڑکے پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ کلاس ٹیچر کی غیر حاضری میں یہ بحث چھڑ گئی کہ کون سا مذہب اچھا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کی حمایت میں بولتا رہا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا ظاہر ہے ہم لوگ سب بچے تھے اور ہماری معلومات اس وقت نہ ہونے کے برابر تھیں۔ بہرحال میرے ذہن میں ایک بات آئی کہ ہو سکتا ہے ہم صحیح راستہ پر ہوں اور ہو سکتا ہے غلطی پر ہوں۔ اس لئے کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کو سچا ہی سمجھتا ہے۔ بے لاگ موازنہ کئے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ لہٰذا میں نے اس وقت سے وقتاً فوقتاً مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنی شروع کر دیں۔ جتنی استعداد تھی اس کے مطابق مختلف مذاہب کو سمجھنے کی کوشش شروع کی۔ ہندو مذہب کو سمجھا۔ عیسائی مذہب کو سمجھا اور پھر اسلام کو سمجھنے کی کوشش شروع کی۔

اسلام کو سمجھنے کی کوشش میں بڑی رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو مذہب کا اجارہ دار بنا رکھا ہے وہ مذہب کو یا تو بالکل نہیں سمجھتے یا سمجھتے کچھ اور ہیں اور دوسروں کو کچھ اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ

اس کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے ماڈرن علوم حاصل کئے ہیں اور جن کے ذہن ترقی یافتہ ہو چکے ہیں وہ مذہب سے دور ہٹتے جا رہے ہیں اور مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہوئے لوگ خدا کے بھی منکر بنتے جا رہے ہیں۔

بہرحال علماء سے مایوس ہو کر میں نے قرآن کی طرف رجوع کیا کہ یہ بنیاد ہے اگر یہ ٹھیک ہے تو اس سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ میں عربی سے واقف نہیں ہوں اور ہمارے گھر میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ موجود تھا لہٰذا اس کو پڑھنا شروع کیا لیکن اب یہ دقت پیش آئی کہ اکثر مقامات پر قرآن کا مضمون سمجھ میں نہ آئے۔ مختلف سوالات ذہن میں آتے تھے اور جب علماء سے ان سوالوں کو سمجھنا چاہتی تو یا تو وہ ایسا جواب دیتے تھے جو common sense کے خلاف ہوتا یا یہ کہہ دیتے تھے کہ زیادہ غور نہ کیا کرو کافر ہو جاؤ گے۔ دونوں صورتوں میں ذہن اور الجھ جاتا تھا۔ اس لئے کہ قرآن کہتا تھا تدبر کرو غور کرو اور مولوی کہتے تھے غور کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اس کشمکش میں کافی عرصہ گذر گیا اور قریب تھا کہ میں بھی دہریوں کی صف میں شامل ہو جاتی کہ ایک روز خیال آیا کہ اگر کوئی کتاب سمجھ میں نہ آ رہی ہو اور اس کا مصنف مل جائے تو اس سے بہتر کون سمجھانے والا ہو سکتا ہے۔ اور قرآن کا مصنف تو موجود ہے لہٰذا اسی سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کر دی کہ "یہ آپ کی کتاب ہے، اور میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور جو اس کے عالم ہیں وہ مجھے سمجھا نہیں سکتے اس لئے تو ہی مجھے سمجھا"۔ اور ساتھ ہی اس کے ان مقامات پر غور کرنا شروع کر دیا جو مشکل تھے مثلاً سورۃ والتین میں اللہ تعالیٰ نے انجیر اور زیتون کی قسم کیوں کھائی ہے۔ ایک مولوی صاحب سے میں نے پوچھا تو انھوں نے یہ بتایا کہ عرب میں انجیر اور زیتون ہی دو پھل ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہے میں یہ کہتی تھی کہ قرآن پوری دنیا کی ہدایت کیلئے آیا تھا اور کم سے کم ہمارے یہاں ان پھلوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے ذہن میں اس سے کوئی خاص تاثر قائم نہیں ہوتا۔

بہرحال دعا بھی اور غور دونوں جاری رہا اور ایک دن اس سورۃ کی تفسیر اس طرح ذہن میں آئی جیسے نیوٹن کی سمجھ میں آیا تھا کہ دنیا میں کشش ہے اور ہر چیز زمین کی طرف کھنچتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد قرآن کریم کو پڑھنے کا شوق بڑھ گیا اور اس کو پابندی سے پڑھنا شروع کیا۔ اور مولویوں سے رجوع کرنا چھوڑ دیا۔ اس دوران یہ آیت نظر سے گزری۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ورضوا عنہ۔ یہ پڑھتے ہی خیال ہوا کہ یہ جن لوگوں کا ذکر ہے وہ یقیناً کامیاب ہونے والے لوگ ہیں اور دل میں خواہش پیدا ہوئی اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ یہ جن لوگوں کا ذکر ہے اُن میں مجھے بھی شامل کر دے۔ اس وقت ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ آیا یہ انبیاء ہیں یا صحابہ کرام ہیں یا کوئی اور۔ بہرحال دعا یہ تھی کہ جن کا یہاں ذکر ہے ان میں مجھے شامل کر دے۔

اس واقعہ کے دس بارہ روز کے بعد میں نے بیعت کر لی اور وہ اس طرح ہوا کہ اس دعا کے چند روز بعد ہم لوگ یعنی میں اور میری اہلیہ اپنے ایک عزیز کے یہاں ملاقات کے لئے گئے اور وہاں دوران گفتگو وحی کا ذکر آ گیا۔ ہمارے عزیز کا کہنا تھا کہ وحی ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی ہے۔ اس پر میں نے کہا۔ یہ بات تو قرآن کے خلاف ہے۔ اس زمانے میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھ ہی لیا تھا۔ میں نے وہ آیت بھی نکال کر دکھا دی جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وحی جاری ہے۔ میرے عزیز کہنے لگے تم تو قادیانیوں کی سی باتیں کرتے

سو میں نے کہا یہ کون لوگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ تب انھوں نے مجھے احمدیہ ہال کراچی کا پتہ بتایا اور میں اگلے جمعہ کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب احمدیہ ہال پہنچ گیا۔ اور ایک ستون کی آڑ میں بیٹھا کہ کہیں کوئی مجھے یہاں سے نکال نہ دے۔

مکرم مولوی سلطان محمود صاحب نے خطبہ دیا اور خطبے تو میں نے زندگی بھر سنے تھے اور ان خطبوں میں اور اس خطبہ میں اس قدر نمایاں فرق تھا کہ دل ودماغ میں ایک تغیر آ گیا۔ نماز کے بعد میں مولوی صاحب کے پاس گیا اور ان سے اپنا تعارف کرایا کہ میں سنی حنفی عقیدہ پر ہوں اور آپ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ مولوی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میں کسی کے زیر تبلیغ ہوں۔ میں نے کہا۔ کسی کے نہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ میں نے کون کون سی کتابیں سلسلہ کی پڑھی ہیں۔ اس پر بھی میرا جواب یہی تھا کہ کوئی نہیں۔ تب انھوں نے کہا کہ آپ صبح میرے پاس آئیں تب گفتگو ہوگی۔

دوسرے روز یعنی ۲ فروری ۱۹۷۶ء کو صبح ۹ بجے میں مولوی سلطان محمود صاحب کے پاس پہنچا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اس وجہ سے احمدی ہونا چاہتا ہوں کہ مجھے نوکری وغیرہ مل جائے گی تو یہ خیال چھوڑ دوں۔ اور اگر اس لئے ہونا چاہتا ہوں کہ دولت مل جائے گی۔ تب بھی یہ خیال چھوڑ دوں۔ بلکہ انھوں نے کہا کہ ہم تو آپ جو کچھ کمائیں گے اس میں سے کم از کم ۱/۱۶ ضرور لے لیں گے۔

اس کے باوجود جب میں اپنے ارادہ پر قائم رہا تو انھوں نے کہا کہ اچھا آپ کچھ کتابیں لے جائیں اور ان کو پڑھیں اور خوب غور وخوض کے بعد آیئے گا۔ اس پر میں نے کہا کہ مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ جب تک میں تحقیق کروں اس وقت تک زندہ رہوں گا۔ اس لئے آپ میری بیعت لے لیں۔ تب مولوی صاحب نے بیعت فارم نکال کر دیا اور کہا کہ یہ شرائط اچھی طرح پڑھ لیں۔ میں نے شرائط پڑھیں اور ایک بات بھی خلافِ قرآن نہ ہونے کی وجہ سے اسی وقت دستخط کر دیئے۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھ گنہ گار کی دعا سن لی اور قرآن کریم سیکھنے کے لئے ایسی جماعت تک میری راہنمائی کر دی جو اس زمانے میں اس روئے زمین پر واحد جماعت ہے جو قرآن کریم کو سمجھتے ہیں اور دوسروں تک اس علم کو پہنچانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اور مجھے ان لوگوں میں اسی دنیا میں شامل کر دیا۔ جن کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ "رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ"!

زعماء اعلیٰ / زعماء انصار اللہ کے سہ سالہ انتخابات : موجودہ زعماء / زعماء اعلیٰ انصار اللہ کی سہ سالہ میعاد ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء کو ختم ہو چکی ہے حسب قواعد یہ انتخابات امراء / صدر صاحبان کی صدارت میں ہونے ہیں۔ تمام امراء و صاحبان کی خدمت میں بذریعہ خط یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ حسب قواعد انتخاب کروا کر رپورٹ اپنی سفارش کے ساتھ صدر محترم انصار اللہ کی خدمت میں برائے منظوری بھجوا دیں۔ امراء صاحبان کی خدمت میں بطور یاد دہانی گزارش ہے کہ وہ جلد اس کام کو مکمل کروا لیں۔ جزاہم اللہ

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

حضرت امیر حمزہؓ

مکرم نثار احمد ناز۔ دریا خان مری (سندھ)

نبوت کا چھٹا برس تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوئی کعبۃ اللہ میں داخل ہوا گلے میں کمان پڑی تھی، پیٹھ پر ترکش لٹک رہا تھا، چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ اونچا قد، توانا و تندرست آدمی ——— یہی کوئی بیالیس تینتالیس سال کی عمر ہوگی۔

حرمِ کعبہ میں اس وقت جگہ جگہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ یہ مردِ میدان اس طرف بڑھا۔ جدھر قبیلۂ مخزوم والے بیٹھے تھے۔ انہی میں پیلی رنگت، دبلے پتلے جسم اور سوکھے چہرے کے ایک خرانٹ آدمی کے آگے رکا۔ سلام نہ دعا۔ گلے سے کمان نکالی اور اس کے سر پر دے ماری۔ پھر گرج کر بولے۔ "تو انہیں گالیاں دیتا ہے ——— اور اب تجھے یہ جرأت بھی ہوئی کہ تو نے ان پہ ہاتھ اٹھایا آئندہ کیلئے خبردار! یہ بات آج اچھی طرح سمجھ لے کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ انہیں مانتا ہوں۔ ان کے خدا کو مانتا ہوں۔"

پلک جھپکتے یہ کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ بنی مخزوم اپنے آدمی کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ چاہتے تھے اس جیالے پر جھپٹیں لیکن ان کے آدمی نے روک دیا۔ وہ جانتا تھا ایسا ہو جاتا تو بات بہت بڑھ جاتی۔ اس نے کہا ——— "ابو عمارہ کو جانے دو میں نے ان کے بھتیجے کو آج بہت برا بھلا کہا ہے۔ یہ اسی کا غصہ ہے۔"

یہ ابو عمارہ حضرت امیر حمزہؓ تھے۔ رسالت پناہ کے چچا بھی اور دودھ شریک بھائی بھی۔ ساتھ کھیلے تھے بچپن کے دوست عمر میں یہی دو چار برس کا فرق تھا ——— بات یہ ہوئی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف فرما تھے کہ ادھر سے ابوجہل کا گزر ہوا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کٹر دشمن! دیکھا ساتھ کوئی نہیں تو پاس پہنچا۔ پہلے تو بڑھ بڑھ کر باتیں کیں، برا بھلا کہا۔ جب دیکھا کسی بات کا جواب نہیں ملتا تو اور بھی شیر ہو گیا۔ صفا کے آگے ہی عبداللہ بن جدعان کا گھر تھا۔ اس کی ایک لونڈی کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مشرکین کے گھر پلی، بڑھی، خود بھی کافر لیکن بات بننے پہ آتی ہے تو قدرت عجیب عجیب سامان پیدا کر دیتی ہے۔ وہ وہاں کھڑی تو کھڑی رہ گئی۔ لیکن دیکھ کر طرز تپاک اہلِ دنیا جل گئے۔" لونڈی تھی بس نہ چلتا تھا۔ دل مسوس کر رہ گئی ——— ہمدردی کی چنگاری دل میں سلگ اٹھی تھی۔ ایک وہی نہیں اور بھی کچھ دردمند تھے جو اس سے پہلے سے ایسی باتوں پر کڑھتے تھے لیکن زور ہی کیا تھا۔ جفائے باغیاں دیکھتے اور صبر و ضبط سے کڑوے گھونٹ پیتے رہتے۔

خیر الامم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور خاموشی ہی کو صفا سے اٹھ کر چلے گئے۔ لیکن اپنے پیچھے آگ چھوڑ گئے جو ایک نیک بخت کے دل میں بھڑک رہی تھی سارے دل ہی دل میں ظالم کو کوستی جا رہی تھی کہ دیکھا۔ بھاری بھاری قدموں سے کوئی اس

کے سامنے سے گزرنا تھا۔ مردانہ وجاہت کا نمونہ، قریش کا مانا ہوا جوانمرد، عرب میں دور دور تک اس کی ہمت اور شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ گلے میں کمان، کندھے پر ترکش لٹکائے یہ جواں مرد شکار سے لوٹ رہا تھا۔ صفا سے ہو کر وہ سیدھا کعبۃ اللہ جاتا اور جب کبھی شکار سے لوٹتا پہلے طواف کرکے لوگوں میں مل بیٹھتا۔ کبھی اُس سے کبھی اس سے دو چار باتیں کرکے اپنے گھر جاتا۔ یہ اس کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ اس نیک بخت نے دیکھی تو فوراً پہچان لیا یہ عبد المطلب کے بیٹے حمزہؓ ہیں۔ بڑے باپ کے بڑے بیٹے۔ وہ چلائی "ابو عمارہ! ابو عمارہ!! کاش آپ تھوڑی دیر پہلے یہاں ہوتے اور وہ کچھ دیکھتے جو آپ کے بھتیجے پر گزری۔ ابو الحکم بن ہشام نے (مراد ابوجہل سے تھی) آج ان پر بڑا ظلم توڑا۔ اکیلا تنہا دیکھ کر خوب گرجا برسا اور ان پر تشدد کرکے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر گیا۔"

امیر حمزہؓ نے یہ ماجرا سنا تو خون کھول گیا۔ اب ابو الحکم کی یہ جرأت ہو گئی۔ حمیت جاگ اٹھی تھی۔ خون نے جوش مارا — ابو عمارہ کے قدم تیز تر ہو گئے۔ غصہ بھڑک اٹھا تھا بس نہ چلتا تھا کہ اڑ کر حرم کعبہ میں پہنچ جائے اور جب پہنچے تو ابوجہل کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا کر دل ٹھنڈا ہوا۔ اور مظلوم بھتیجے کی محبت میں یہ اعلان کر دیا کہ "آج سے میں بھی مسلمان ہوں۔" — اب اس اعلان کا کیا پوچھنا؟ خوشی کے جذبے میں بہت بڑی بات کہہ گئے تھے — خدا کا کرنا کیا ہوا کہ دو چار روز ہی بعد حضرت عمرؓ بھی ایمان لے آئے۔

ہجرت کو بمشکل چھ ماہ گزرے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ روزے ابھی فرض نہ ہوئے تھے کہ تیس سواروں کا ایک دستہ مدینے سے چلا۔ آگے آگے اس دستے کے سالار تھے۔ جھنڈا لئے ہتھیار سجائے۔ یہ حضرت امیر حمزہؓ تھے۔ آپ کے ساتھی مجاہد سب کے سب مہاجر تھے۔ علاقہ جہینہ کی ایک بستی کی طرف ان کا رخ تھا۔ یہ مجاہد مشرکین مکہ کے ایک قافلے سے لڑنے نکلے تھے۔ جو شام سے لوٹ رہا تھا۔ اس قافلے کا سردار ابوجہل تھا۔ اس کے ساتھ تین سو آدمی تھے۔ اللہ کے سپاہیوں کی کچھ ایسی ہیبت ان کے دل پر چھائی کہ ابوجہل کنی کترا کر نکل گیا اور تیس سرفروش دشمن کے تین سو آدمیوں کو بھگا کر مدینے لوٹ آئے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا۔ جنگ نہ چھڑنے دی — ہجرت کے بعد یہ پہلی مہم تھی اور ہجرت کے بعد ہی کی نہیں بلکہ تاریخ اسلام کی بھی پہلی مہم تھی۔ اس لئے حضرت امیر حمزہؓ فرمایا کرتے تھے کہ راہ جہاد میں سب سے پہلے انہی نے اقدام کیا۔ بدر اور احد دو ہی غزواتِ نبوی ہیں جن میں حضرت امیر حمزہؓ شریک ہو سکے۔ ۳ھ ۱۵ شوال کو آپ جنگِ احد میں شہید ہو گئے۔

جنگِ بدر کا موقع تھا۔ اسود مخزومی کافروں کے لشکر سے نکلا اور بولا — "بدر کا وہ کنواں جس پر مسلمان قابض ہیں میں اپنے قبضہ میں کر کے رہوں گا۔ دیکھوں مجھے کون روکتا ہے؟" — میدانِ جنگ میں پانی کا معاملہ بڑا اہم ہوتا ہے۔ اسود بڑا جیالا تھا۔ تیر و تلوار کا دھنی، خود پہنے، زرہ اوڑھے بڑی شان سے چلا۔ اس کی تلوار فضا میں بجلیاں لہرا رہی تھی۔ چشمے کے قریب آیا تھا کہ حضرت حمزہؓ نکلے۔ وہ تو مقابلے کے لئے تیار ہی تھا۔ دیکھتے ہی حمزہؓ پر جھپٹا۔ دونوں فوجیں صف باندھے مقابلہ دیکھ رہی تھیں۔ بہادروں کی تلواریں بلند ہوئیں تو اعلانِ جنگ ہو گیا۔ لیکن اسود کے لئے یہ اعلان بڑا مہنگا پڑا۔ پہلے ہی وار میں حضرت حمزہؓ نے اس کا ایک پاؤں کاٹ دیا۔ گھٹنے سے نیچے ایڑی سے اوپر تلوار ایسی آر پار ہوئی جیسے کوئی رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ اسود لڑکھڑا کر گرا چاہتا تھا کہ گھسٹتے گھسٹتے آگے بڑھے اور کسی طرح چشمے تک پہنچ جائے کہ حضرت حمزہؓ کے دوسرے وار نے اس کا قصہ پاک کر دیا۔ میدانِ بدر میں

بہ سپاہ دست بدست مقابلہ تھا۔ پھر تو کفار کے لشکر سے عتبہ، شیبہ اور ولید نکلے۔ اور اب جو حضرت حمزہؓ کی تلوار کے جوہر کھلے تو دشمن کے لیے کوئی پناہ نہ رہی۔ دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے اسلام کا یہ سر بکف مجاہد جس طرف نکل جاتا دشمن کائی کی طرح پھٹ جاتے۔

۳ ہجری، شوال کی ۷ تاریخ، ہفتے کا دن تھا۔ اُحد کے دامن میں سورج ڈھل رہا تھا۔ سائے بڑھ رہے تھے۔ حق و باطل کا معرکہ اپنے آخری مراحل پر تھا کہ میدانِ جنگ میں ایک عورت اور ایک مرد شہیدوں کے لاشے الٹتے پلٹتے جا رہے تھے۔ چہروں پر وحشت، دیوانوں کی سی جو کیفیت۔ پاگلوں کے سے کام، نظروں میں سنگدلی، باتوں میں درندگی، آدمی کہاں بھوت پریت معلوم ہو رہے تھے۔ آخر دونوں ایک جگہ رک گئے۔ ایک لاشہ اٹھایا۔ مرد نے کہا۔ "دیکھو یہی ہے نا؟" عورت، مارے خوشی کے چیخنے چلانے لگی۔ کبھی لاش کے چکر کاٹے، کبھی ٹہلنے لگے۔ پھر جنونیانہ قہقہے لگاتی۔ وہ لاش کے سینے پر چڑھ دوڑی۔ اپنا خنجر نکالا۔ لاش کی آنکھیں نکالیں، کان کاٹے۔ ناک کاٹی۔ سینہ چیرا، دل نکالا، پیٹ چاک کیا۔ گردے نکالے۔ اپنے کانوں اور گلے کا زیور نکال کر مرد کو دے دیا ان کی جگہ ان چیزوں کو دھاگوں میں پرو کر پہن لیا۔ اس پر بھی دل ٹھنڈا نہ ہوا تو لاش کا کلیجہ نکال کر چبانے لگی۔ یہ انسان تھی یا درندہ؟ عورت تھی یا عفریت؟ جس نے دیکھا دنگ رہ گیا۔ مرد جو ساتھ تھا وہ بھی نہ دیکھ سکا۔ نعش سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی تھی۔ مرد وحشی تھا۔ جبیر بن مطعم کا حبشی غلام اور عورت ہندہ تھی ——— ہندہ جگر خوار، ابوسفیان کی بیوی، عتبہ رئیس مکہ کی بیٹی اور یزید کی دادی۔

سید المومنین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کو اسی حال میں دیکھا تو آپ کو بڑا صدمہ ہوا۔ دیر تک لاش پر کھڑے رہے پھر کہا۔ "اللہ اگر مجھے اپنی پھپھی حمزہؓ کی بہن صفیہ کا خیال نہ ہوتا تو میں لاش کو اسی میدان میں پڑا رہنے دیتا۔ جنگل کے درندے اس لاش کو کھاتے اور قیامت کے دن حمزہؓ کا حشر ان کے پیٹوں سے ہوتا۔"

اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ "دشمنوں کی لاشوں کی بے حرمتی کبھی نہ کریں" ——— یہی میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا کردار ٹھہرا ———

شہادت کے وقت حضرت حمزہؓ کی عمر ۵۷ سال تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پہلے الگ پھر ہر شہید کی نماز جنازہ میں آپؓ کو شریک کیا گیا۔ ایک ایک قبر میں دو دو شہدائے اُحد رکھے گئے تھے۔ حضرت حمزہؓ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو دفن کیا گیا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا۔

"تم پر خدا کی رحمت ہو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تم قرابت داروں کا زیادہ خیال رکھتے تھے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔"

○

ماہنامہ "انصار اللہ" ربوہ　　جنوری ۱۹۷۷ء　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۷۳۸۴

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے　　قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا　　بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اسکی ہر عبارت میں　　نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز　　اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو　　وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی　　سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز　　تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شان کبریائی کا　　زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے　　خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا　　تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے　　خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوف یزداں ہے

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو نصیحت ہے غریبانہ
کوئی جو پاک دل ہووے دل و جاں اس پہ قرباں ہے

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔